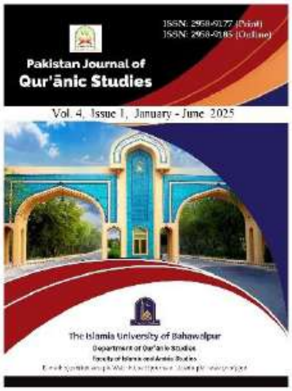

Pakistan Journal of Qur'ānic Studies

ISSN Print: 2958-9177, ISSN Online: 2958-9185

Vol. 4, Issue 1, January – June 2025, Page No. 31 - 49

HEC: https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089226#journal_result

Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs

Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/issue/view/243

Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3932

Publisher: Department of Qur'ānic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

---

Title **Contemporary Social Challenges and Necessity of Theological and Ethical Study of The Holy Quran**

Author (s): **Muhammad Ibrahim Abbasi**
MPhil Scholar, Department of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Language, Islamabad.

Dr. Muhammad Umar Farooq
Assistant Professor, Department of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Language, Islamabad. dr.muhammadumarfarooq@gmail.com

Received on: 08 June, 2025
Accepted on: 20 June, 2025
Published on: 30 June, 2025

Citation: Muhammad Ibrahim Abbasi, and Dr. Muhammad Umar Farooq. 2025. "عصر حاضر کے سماجی چیلنجز اور قرآن کے فکری و اخلاقی مطالعہ کی ضرورت واہمیت: Contemporary Social Challenges and Necessity of Theological and Ethical Study of The Holy Quran". Pakistan Journal of Qur'ānic Studies 4 (1):31-49. https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3932.

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

عصر حاضر کے سماجی چیلنجز اور قرآن کے فکری واخلاقی مطالعہ کی ضرورت واہمیت

Contemporary Social Challenges and Necessity of Theological and Ethical Study of The Holy Quran

Muhammad Ibrahim Abbasi

MPhil Scholar, Department of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Language, Islamabad.

Dr. Muhammad Umar Farooq

Assistant Professor, Deptt. of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Language, Islamabad,

Muhammad.uamr@numl.edu.pk

Abstract:

Allah Almighty created this universe and man. Man is the radiant of the world while he is combination of mind, body and soul. On the basis of his structure he is able to lead the world in every aspect. Allah Almighty gave him life and also guides him towards prosperity. Although the sources of knowledge are inbuilt in man but Allah Almighty also gave him divine guidance through his revealing and prophets. Man is the source of human society in the world. In every age man took guidance from revealed knowledge and remained updated. When he faced challenges he followed the principles learnt from divine guidance and solved his problems. With the passage of time and human development world has become global society. Global society has its own challenges and opportunities.

Regarding global challenges human societies are facing different social challenges. When we explore and delve into those challenges nature of contemporary social challenges is intellectual and spiritual challenges. Contemporary societies want quick intellectual and spiritual guidance. This research highlights the contemporary social issues in the manner of intellectual and spiritual, determines some intellectual and spiritual issues. This research also explains the importance of intellectual and spiritual study of the Holy Quran regarding contemporary social issues. The study highlights necessity of engagement with the Holy Quran instead of only recitation. The research also make a bridge towards integration of thoughts and ethics of the Holy Quran in education system and society to manage contemporary social challenges.

Keywords: *Society, Social Challenges, Intellectual Challenges, Spiritual Challenges, the Holy Quran, Intellect, Soul, Contemporary Era.*

Article Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3932

تمہید:

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مزین کرنے کے بعد اس کو مزید حسن اور وسعت انسان کے وجود سے دی۔ کائنات کی تخلیق کے بعد انسان کی پیدائش اس سے بھی بڑا شاہکار تھا۔ انسان کو عقل، جسم اور روح کا مرکب بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور انسان کے وجود میں تنظیم کا مکمل اہتمام کیا۔ اسی نتیجہ میں دنیا میں انسانی سماج نے وجود پایا۔ انسانی سماج انسانوں کی روزمرہ زندگی میں باہمی لین دین، معاملات اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے کا نام ہے۔ مختلف زمانے اور حالات میں انسان کے یہی باہمی تعلقات جب تذبذب کا شکار ہوتے ہیں تو سماج میں مختلف طبقات اور بگاڑ جنم لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں انسان کی سماجی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ قرآن کریم انسان کی سماجی رہنمائی کی بنیادی کتاب ہے جس کے تصورِ سماج کو دیکھا جائے تو انسان کو بحیثیتِ انسان معاشرے میں برتاؤ کرنے کا سبق ملتا ہے تاکہ انسان اپنی سماجی، فکری، عملی اور اخلاقی زندگی گزارنے کی رہنمائی حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ان تمام پہلوؤں میں انسان کی جامع رہنمائی کی ہے۔

انسانوں کو دورِ حاضر میں جن سماجی مسائل کا سامنا ہے ان میں فکری اور اخلاقی مسائل اہم ہیں۔ عصرِ حاضر میں سماجی اعتبار سے قرآن کریم کی فکری، عملی اور اخلاقی رہنمائی کے پیشِ نظر اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کا فکری اور اخلاقی اعتبار سے مطالعہ کیا جائے۔

سماج کا مفہوم:

سماج سے مراد انسانی گروہوں کا باہمی تعامل و تعلق ہے جس میں انسان کسی علاقہ میں نظریات اور معاملات کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ سماج کے تصور کو سمجھنا انتہائی پیچیدہ عمل ہے لیکن چند تعریفات سے اس کو سمجھنے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ سماج لوگوں کے کردار، فہم و عمل جو کہ صرف اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ انھیں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے۔ جس سماج میں کوئی شخص کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا اثر دوسرے شخص پر ضرور ہوتا ہے کیونکہ سماج نے انھیں آپس میں جوڑے رکھا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج انسانوں کے مرکب کا نام ہے۔

تخلیق آدمؑ پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنظیم کا اہتمام کیا اور آدمؑ کو حوا علیہم السلام کی نعمت سے نوازا۔ حوا علیہم السلام کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی مزاج میں اجتماعیت پسندی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہم السلام کے جوڑے سے اس کائنات کو وسعت دی جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان اکیلے زندگی نہیں گزار

[1] مطہری، شہید مرتضیٰ، سماج اور تاریخ، تبلیغات اسلامی، 1989ء، ص:4

سکتا اور متوازن زندگی کی تشکیل اور تکمیل کے لیے اسے دیگر انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر انسان دوسروں کے ساتھ تعلقات استوار کرتا ہے۔ یہ تعلقات افکار و نظریات، اعمال و افعال اور اخلاق کی بنیاد پر ہو سکتے ہیں۔ یوں ہر دور کے انسان نے فکری، عملی یا اخلاقی بنیادوں پر سماجی روابط قائم کیے۔ اللہ تعالیٰ کو انسانی سماج کی جو شکل مطلوب ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات اپنی کتب اور انبیاء علیہم اجمعین کے ذریعہ انسانوں تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ کے طرف سے انسان کو مذہب کی تعلیمات دی گئیں جو اپنے زمانہ کے سماج کی نوعیت کے اعتبار سے فلاح اور نجات کی ضمانت ہوتی تھیں۔ یہودیت کے پیروکاروں نے حقیقی احکامات الٰہی کو چھوڑ کر خود کو رسوم و قیود کا پابند بنایا۔ اسی طرح عیسائیت نے انجیل کی حقیقی تعلیم کے بجائے سماج کو بالکل آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے نتیجہ میں سماج انحطاط کا شکار ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج ایسے نظام کے تحت پروان چڑھ سکتا ہے جو انسانی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے رہنمائی کرے۔[2] دنیا میں موجود غیر سامی مذاہب کو دیکھا جائے تو ان کے پاس بھی ایسا جامع لائحہ عمل موجود نہیں ہے جو سماجی مسائل کا جامع حل فراہم کرنے والا ہو۔ بدھ مت مذہب کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب انسانی بدن کی ضروریات سے ہی منہ پھیرے ہوئے ہے۔

انسانی تاریخ کے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی آخری رہنمائی پر توجہ کی جائے تو دین اسلام کی نعمت جو انسانیت کو دی گئی اس کا مصدر اول اور منبع قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کو رہتی دنیا تک کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اتارا گیا۔ اس کتاب میں زندگی گزارنے کے وہ اصول مذکور ہیں جو ہر طرح کے سماج کی رہنمائی کرتے ہیں اور سماجی مسائل کا حل فراہم کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے سماج کی اولین تشکیل کی طرف رہنمائی کی ہے۔ یعنی قرآن کریم کے مطابق حضرت آدم و حوا علیہم السلام کے جوڑے سے انسانی آبادی کے اضافہ کے ذریعہ ابتدائی انسانی سماج نے وجود پایا۔

دنیا دار العمل ہے، عالم دنیا کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے نظام پر مشتمل ہے جو اسباب اور اثرات کے تحت چل رہا ہے۔ ہر بات اور عمل کا سبب موجود ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کے اثرات سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح انسانی معاشروں نے ہر دور میں چیلنجز کا سامنا کیا ہے اور ہر دور میں ان چیلنجز کے حل پانے کی جدوجہد کی گئی۔

انسانی زندگی کے دن بدن ارتقاء کے سبب اس کے مسائل بھی بڑھتے گئے اور اپنی نوعیت بدلتے گئے۔ عصرِ حاضر میں سماجی مسائل کو پہچاننے کی کوشش کی جائے تو بنیادی طور پر دو اہم سماجی چیلنجز سامنے آتے ہیں۔ ان سماجی چیلنجز میں فکری اور اخلاقی چیلنجز شامل ہیں۔ اب چونکہ سلسلہِ نبوت بند ہو چکا اور اب مزید کسی الہامی کتاب اور رسول نے نہیں آنا تو قرآن کریم

[2] غنوی، خرام نواز، اسلامی معاشرتی نظام، ادارہ تربیت اسلامیہ، لاہور، 2010ء، ص:55-60

میں اس طرح غوطہ زن ہونے کی ضرورت ہے تا کہ عصرِ حاضر کے سماجی چیلنجز کو پہچانتے ہوئے ان کا حل تلاش کیا جا سکے اور قرآن کریم کے فکری اور اخلاقی مطالعہ کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

معاصر فکری چیلنجز:

انسان فکر، عمل اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ انسانی شخصیت کی تشکیل میں یہ تین عوامل سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ انسان کی متوازن شخصیت سازی میں اگر ان تین شعبوں میں سے کسی میں کمی رہ جائے تو اس انسان کی شخصیت متاثر ہو جاتی ہے۔ انسان کی فکر کا تعلق عقل کے ساتھ ہے۔ اگر عقل و شعور کی مناسب آبیاری نہ کی جائے تو انسان فکری مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و دانش دی جس کی بناء پر انسان میں یہ صلاحیت دیکھنے کو ملتی ہے کی یہ اپنے مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جب انسان فکری بحران کا شکار ہو تا ہے تو تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے اور خود کو مایوس پاتا ہے۔

معاصر فکری چیلنجز کا جائزہ لیا جائے تو آج کا انسان کئی فکری مسائل سے دوچار ہے۔ ان فکری چیلنجز میں غیر واضح مقصد حیات، متزلزل یقین، فکری ہم آہنگی کا فقدان، عدم تفکر، عدم معرفت، فکری وحدت اور اعتدال کا فقدان، عجز سے محرومی اور عدم اعتماد، معاشرتی بے راہ روی اور جہالت جیسے مسائل شامل ہیں۔ 3

معاصر اخلاقی چیلنجز:

انسان کی بناوٹ کو دیکھا جائے تو اس کا ایک اہم ترین جز روح ہے۔ روح کا تعلق انسان کے اخلاقی وجود کے ساتھ ہے۔ جب کسی شخصیت کے ارتقائی سفر میں روح کی آبیاری کو نظر انداز کر دیا جائے تو سماج اس کے اخلاقی کمالات سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب اجتماعی طور پر سماج اخلاقیات سے روگرداں ہو تا ہے تو سماج میں اخلاقی چیلنجز جنم لیتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں اخلاقی مسائل پر غور کیا جائے تو کئی ایسے مسائل سامنے آتے ہیں جو آج کے معاشرے کے لیے وبالِ جان بن چکے ہیں۔ عصرِ حاضر کا انسان ان اخلاقی چیلنجز کے سامنے بے بس دکھائی رہا ہے۔ معاصر اخلاقی چیلنجز میں صفتِ احسان کا نہ ہونا، عدم احساسِ جوابدہی، اخلاقی جرات کا نہ ہونا، جھوٹ،، نفاق، عدم تحمل، جزبہ ایثار سے محرومی، عدم اخلاص اور حبِ جاہ جیسے چیلنجز شامل ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا سامنا آج کا ہر شخص کر رہا ہے۔

[3] سعدی، سمیع اللہ، مقالہ: موجودہ دور کے فکری چیلنجز اور علماء کی ذمہ داری، ماہنامہ الشریعہ، جلد نمبر: 26، شمارہ نمبر: 11، نومبر 2015، شریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ

عصرِ حاضر اور قرآن کریم کے فکری مطالعہ کی ضرورت واہمیت:

غیر واضح مقصد حیات:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ان احکامات کا مجموعہ ہے جو انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو دیا گیا۔ اس کے تعارف اور اعجاز کا سلسلہ زمانۂ نزول سے ہی جاری ہے۔ قرآن کریم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جو اپنا تعارف خود بیان کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ 4

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔

اس کائنات کے نظام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا کوئی مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی وجود بِلا مقصد تخلیق نہیں کیا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا اور اس کو تمام مخلوقات سے ممتاز کیا۔ اب کائنات کے نظام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے وجود کا بھی مقصد قدرت نے متعین کر دیا ہو گا اس کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اس کا عملی فائدہ صرف وہی اٹھاسکتے ہیں جن میں تقویٰ، شرم وخوفِ الٰہی، خیر وشر میں تمیز، اور نیکی جمع کرنیکی خواہش پائی جائے۔5

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کا اہتمام کیا۔ اب قرآن کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری ہدایت نامہ ہے لہٰذا اس کے رہنمائی لینی چاہیے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم انسان کو مقصد حیات فراہم کرتا ہے۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ 6

ترجمہ: ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔

اگرچہ اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کے روش سے پناہ مانگی گئی ہے لیکن قرآن کریم انسان کو صراط مستقیم کی جدوجہد کی صورت میں مقصد حیات فراہم کرتا ہے۔7 اس ثابت ہوتا ہے کہ سماج میں ہر فرد کا اعلیٰ مقصد حیات ہونا ضروری ہے۔ مقصد حیات انسانی زندگی میں دیگر کئی خوبیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ مقصد کے بغیر زندگی اور ایسا سماج جس کا اجتماعی طور پر مقصد متعین نہ ہو متوازن انداز میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مقصد حیات کے تعین کا تعلق انسانی فکر کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ رضائے الٰہی

---

[4] سورۃ البقرۃ:02

[5] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج:1، ص:50

[6] سورۃ الفاتحہ:07

[7] الجوزیہ، ابن قیم، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، دار الصمیعی، ریاض، 2011ء، ج:1، ص:46-47

کا حصول انسان کو مقصد حیات ہے تو اس کو پانے کے لیے انسان مختلف طریقہِ کار اپناتا ہے جو کہ عبادات میں شمار ہوتے ہیں۔ عبادات کے ذریعہ مقصد کا حصول عملی چیز ہے جبکہ مقصد انسانی فکر میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی فکر عمل کو تحریک دیتی ہے۔[8]

عصرِ حاضر میں انسانی زندگی کو دیکھا جائے تو مقصد حیات کے تعین کا واضح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ موجودہ دور کے انسان کے مقاصد اس کے دیگر افکار پر منحصر ہیں جبکہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق آج کے انسان کے مقصد حیات کا تعین کرنا مشکل ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر موجودہ زمانہ میں قرآن کے فکری مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے تحت جدید دور کے انسان کو قرآنی اصولوں کے مطابق مقصد حیات واضح کیا جاسکے۔

متزلزل یقین:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں عقل کو رکھا۔ انسان کو سوچنے، سمجھنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت دی۔ انسان کے اس وصف کی بنیاد پر انسانی علم میں اضافہ ہوتا ہے اور انسانی افکار پروان چڑھتے ہیں۔ انسان کے افکار انسان میں استحکام یا اضطراب پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ افکار کی بنیاد پر انسان کو یقین پروان چڑھتا ہے۔ مستحکم یقین انسان میں مثبت تبدیلیاں لاتا ہے اور انسانی شخصیت کو مستحکم بناتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد بار ایمان کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مقصد مستحکم یقین کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان سے یقین کامل مقصود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ [9]

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لانے کے۔

یہ آیت کفار مکہ کے متعلق نازل ہوئی لیکن دوسری طرف قرآن کریم کی یہ آیت انسانی فکر کے جمود کی عکاسی کر رہی ہے۔ جب انسان فکری طور پر رجعت پسندی اختیار کرتا ہے تو وہ حق بات تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا سبب انسان کا متزلزل یقین ہوتا ہے۔ انسانی عقل جس بات کو تسلیم کرنے کے انکاری ہوتی ہے اس کے معاملہ میں انسان کا یقین قوی نہیں ہوتا۔[10]

موجودہ دور میں انسان کا متزلزل یقین عملی زندگی میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ کمزور یقین سماج میں خوف اور بے سکونی کی فضا پیدا کرتا ہے۔ آج کے انسان کے پاس قرآنی معلومات ضرور ہے لیکن فکری طور پر رہنمائی سے محروم ہے۔ اس کی وجہ سے

---

[8] آزاد، ابوالکلام، ام الکتاب، خزینہ علم وادب، 2009ء، ص:290

[9] سورۃ البقرۃ:06

[10] سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الحافظ، مصر، 2000ء، ج:1، ص:259-260

سماج فکری تذبذب کا شکار ہے۔ ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم کا فکری مطالعہ کیا جائے تاکہ سماج فکری اعتبار سے مضبوط یقین کے حامل افراد پر مشتمل ہو سکے۔

فکری ہم آہنگی کا فقدان:

کسی سماج میں واقع ہونے والے تمام اعمال و افعال اس سماج کے افراد کی فکر کا عکس ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے انسان کو اجتماعیت کا درس دیا ہے۔ انسانی افکار اعمال میں کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں اس لیے سماج میں افراد کے درمیان فکری طور پر ہم آہنگ اور فکری وحدت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ اصول قرآن کریم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ [11]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں ان کا کام خدا کے حوالے پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔

قرآن کریم کی یہ آیت سماج میں موجود افراد کی شخصیت میں فکری ہم آہنگی اور وحدت کا اصول دیتی ہے اور فرقہ واریت کی مذمت کرتی ہے۔[12] یہ آیت سماج میں سے کئی اختلافات ختم کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ بظاہر یہ آیت ایک خاص طبقہ کے متعلق نازل ہوئی لیکن آج کے دور میں اس سے رہنمائی لے کر معاشرے میں فکری وحدت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ انسان کے اعمال افکار پر منحصر ہوتے ہئں لہذا سماجی وحدت کے اصول کے استنباط کا تقاضا ہے کہ عصرِ حاضر میں قرآن کریم کے سماجی حصہ کا فکری مطالعہ خصوصی طور پر کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ [13]

ترجمہ: (مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔

---

[11] سورۃ الانعام:159

[12] مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ج:8، ص:150

[13] سورۃ آل عمران:110

اس آیت پر غور کرنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کے قرآن کریم کے لیے تمام انسانیت سماج کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کی خوبی بیان کی گئی اور ان کی افضلیت کا سبب نیکی کی تلقین اور برائی کے روکنے کو قرار دیا گیا۔ یہ وصف سماجی طور پر ایک معاشرے کی فکری تربیت کا عکس ہے۔ جب کسی سماج کے افراد کی کردار سازی میں فکری پہلو کو مثبت انداز میں پروان چڑھایا جائے تو افراد کی شخصیت میں ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر افراد فکری طور پر تربیت یافتہ نہ ہوں تو وہ رہنمائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

عصر حاضر میں افراد کی فکری آبیاری کی ضرورت ہے اور قرآن کریم کے فکری مطالعہ کو عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ سماج کا ہر فرد قرآن کریم کے اصولوں کو جان سکے اور اپنا سکے۔ کیونکہ قوموں کی شکست کا آغاز فرد کی شکست سے ہوتا ہے، اور فرد کی شکست اس وقت ہوتی ہے جب اس کا شعور، اس کی فکر اور اس کا ایمان کمزور ہو جائے۔ [14]

عدم معرفت:

علم انسانی شخصیت کا لازمی جزو ہے۔ علم کے وجود اور اہمیت کا ثبوت تخلیق انسان کے وقت سے ثابت ہوتا ہے۔ علم معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ علم کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔ چناچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ [15]

اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

قرآن کریم انسان کی تعلیم کا اہتمام کرنے کا اصول دیتا ہے۔ اس آیت میں آدمؑ کی تعلیم کا اہتمام اللہ تعالیٰ نے خود کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو دی جانے والی پہلی وحی کا موضوع بھی علم کا تھا۔ انسانی تاریخ کو دیکھا جائے تو انسان ہر دور میں علم کے لیے کوشاں رہا ہے۔ انسان نے ہر دور میں افکار، اعمال اور اخلاق کی آبیاری کو ترجیحی بنیادوں پر اپنایا۔ [16]

موجودہ دور میں سماج کے افراد کا ایک مسئلہ عدم معرفت یا لاعلمی بھی ہے۔ اس کی وجہ سے افراد غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ عصر حاضر میں انسان کو اس قابل تو بنا دیا گیا ہے کہ ہر خاص و عام قرآن کریم کو تلاوت کر سکتا ہے لیکن ہر شخص کو قرآن کریم کی معرفت حاصل نہیں ہے۔ [17] اس وجہ سے آج کا انسان قرآن کریم کے اصولوں کو براہ راست اپنی زندگی میں

---

[14] ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو، انڈیا، 2006ء، ج:1، ص:18

[15] سورۃ البقرۃ:31

[16] غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران لاہور، 2009ء، ص:95

[17] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ج:1، ص:23

اپنانے کے قابل نہیں ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا اہتمام اس انداز میں کیا جائے کہ ہر شخص قرآن کریم سے براہ راست رہنمائی حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ افراد کی شخصیت کو اس انداز میں پروان چڑھایا جاسکے کہ ہر فرد اپنی زندگی میں قرآن کریم کے اصولوں کو نافذ کرنے کے قابل ہو سکے۔

عدم اعتماد:

قرآن کریم متوازن سماج کی تشکیل کے اصول فراہم کرتا ہے۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر مثالی سماج کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم سماج کے افراد میں جن اوصاف کو پیدا کرنے کے اصول فراہم کرتا ہے ان میں سے ایک اعتماد ہے۔ سماج کے افراد میں اعتماد کا وجود معاشرے میں دیگر کئی خوبیوں کو جنم دیتا ہے اور بہت سے چیلنجز سے حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [18]

ترجمہ: کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دی ہو وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو خدا ہی کا بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اگرچہ سورۃ التوبہ کی یہ آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف میں دیکھ کر خوش ہوتے تھے لیکن دوسری طرف یہ آیت اعتماد اور مستحکم یقین کو اصول بھی دیتی ہے۔ اعتماد کسی سماج کے افراد کا فکری خاصا ہوتا ہے کہ وہ مشکل حالات میں ناامید نہیں ہوتے اور اپنے ایمان کی بنیاد پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسا سماج جس میں پر اعتماد افراد ہوں مثبت انداز میں آگے بڑھ سکتا ہے۔[19]

اس آیت کے تناظر میں موجودہ سماج کو دیکھا جائے تو عدم اعتماد کی فضا دیکھنے کو ملتی ہے۔ افراد میں عدم اعتماد کی فکری کیفیت سماجی تناؤ کا سبب بن رہی ہے۔ ایسی سماجی کیفیت کے سبب ہر فرد کے وجود میں مایوسی کا اثر موجود ہے۔ ایسے افراد پر مشتمل سماج مثبت تبدیلیوں کا ذریعہ بننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے فکری مطالعہ کی ضرورت ہے تاکہ سماج کے افراد کی تعمیر نو کی جاسکے اور معاصر فکری چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کی جاسکے۔

عجز سے محرومی:

عاجزی کسی بھی معاشرے سے افراد کا وہ خاصا ہے جو انھیں حیوانی درجہ سے ممتاز کرتا ہے۔ عجز انسان کو اپنی ذات کی حقیقت کو آشکار کرنے کا ذریعہ ہے۔ عاجزی انسانی شخصیت کی وہ صفت ہے جو خالق کو پسند ہے۔ ہر چیز اپنی ضد کے سبب پہچانی

[18] سورۃ التوبہ: 51

[19] سید قطب، فی ظلال القرآن، ج:4، ص:225

جاتی ہے۔ اگر تکبر کا وجود نہ ہو تو عاجزی کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ عاجزی انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔ انسانی فکر میں عجز کا احساس سماج میں مثبت تبدیلیوں کا سبب بنتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ 20

ترجمہ: اور (خدا کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

قرآن کریم کی یہ آیت عجز و انکساری کا اصول دیتی ہے۔ عاجزی انسان کے اندر احساس جوابدہی پیدا کرتی ہے جس کے سبب انسان خود کو قانون اور ضابطہ کو پابند تصور کرتے ہوئے خود کو قانون کے حوالہ کرنے کی صلاحیت کا متحمل ہوتا ہے۔ سماج عجز کے بجائے تکبر آلودہ ہے۔ جب سماج کے افراد عجز کی دولت سے محروم ہوں تو وہ خود کو قانوں کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس سماجی رویے کے سبب سماج میں کئی چیلنجز جنم لیتے ہیں۔ 21

عصر حاضر میں افراد کے سماجی رویوں کو دیکھا جائے تو عجز سے محرومی آج کے سماج کا ایسا فکری چیلنج ہے جو معاشرتی اور اخلاقی جرائم کو جنم دینے کا سبب ہے۔ عجز سے محرومی کا سبب قرآن کی فکری تفہیم سے ناواقفیت ہے۔ عصر حاضر میں سماجی چیلنجز کے محرکات کو سمجھتے ہوئے قرآن کریم کے فکری مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ عوام کے اندر سماجی تبدیلی کے استعداد پیدا کی جا سکے۔

معاشرتی بے راہ روی:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ انسانی عقل کو شعور دے کر اعمال کے انتخاب میں آزادی دی۔ انسان کو رہنمائی کے لیے اپنی تعلیمات اور انبیاء کرام علیہم السلام سے روشناس کروایا۔ اپنی تعلیمات اور ہدایات قرآن کریم کی صورت میں دیں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو زندگی کے جملہ پہلوؤں میں رہنمائی کے اصول فراہم کرتی ہے۔ انسانی زندگی کے ساتھ مختلف پہلو وابستہ ہیں۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے جہاں ایمانیات کے شعبہ میں رہنمائی درکار ہتی ہے وہیں سماجیات اور معاشیات کی ہدایت ربانی بھی درکار ہوتی ہے۔ دین اسلام کی اساس قرآن کریم کے اصولوں پر ہے۔ کسی سماج کے افراد کا اہل قرآن ہونے کا تقاضا ہے کہ ایسے سماج کی تشکیل کو ممکن بنایا جائے جس کی بنیاد قرآن کے اصولوں کے مطابق ہو اور اس کے نتیجہ میں ان افراد سے اشرف المخلوقات ہونے کے کمالات کا اظہار واضح ہو۔[22]

[20] سورۃ البقرۃ:43

[21] غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، ص:89-91

[22] خورشید احمد، پروفیسر، اسلام: اس کا معنی اور پیغام، آئی پی ایس، اسلام آباد، 2014ء، ص:89

سماجیات کی تشکیل کے سلسلہ میں قرآن کریم انسان کو بالکل واضح اصول فراہم کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ان سماجی اطوار کو پروان چڑھانے کی تعلیم دی ہے جو معاشرتی بے راہ روی کا سد باب ثابت ہوں[23]۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ [24]

ترجمہ: مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم) یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ شاید تم یاد رکھو۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اگرچہ ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہ آیت سماجی بے راہ روی کی بنیاد کو عملی طور پر غیر فعال بنانے کو اصول دے رہی ہے۔

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا [25]

ترجمہ: اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

کسی بھی سماج کے وجود کا دارومدار مرد وزن کے وجود پر منحصر ہے۔ قرآن نے سماج کی بہترین تشکیل کے لیے نکاح کے اہتمام اور زنا سے اجتناب کا اصول دیا۔ اس آیت سے مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کے نتائج کی شدت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ قرآن کریم اپنی تعلیمات میں ایسے اصولوں کی بنیاد پر سماجی تشکیل کیا درس دیتا ہے جس سے انسانی مقام پامال نہ ہونے پائے۔ مرد وزن کے مخالف جنس کے سبب کشش فطری عمل ہے لیکن قرآن کریم نے اس سلسلہ میں بھی رہنمائی کو فراموش نہیں کیا۔ درج بالا آیت سے قرآن کی فکر کا اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن سماج میں سے ہر اس عنصر کا خاتمہ چاہتا ہے جو انسانیت کے لیے کسی بھی اعتبار سے غیر منافع بخش ہو۔

عصر حاضر میں سماج میں موجود معاشرتی بے راہ روی کو دیکھا جائے تو افراد کی فکر میں سے خلیفۃ فی الارض کی تمثیل بننے کی فکر ہی ناپید دکھائی دیتی ہے۔ آج کے انسان پر فکری شعور کے بجائے نفسانی جبلتیں غالب ہیں۔ اسی سے ساتھ ساتھ دور جدید میں معاشرتی بے راہ روی کی راہیں ہموار کرنے کے اسباب با آسانی دستیاب ہیں۔ ایسی صورتحال میں قرآن کریم کی تعلیمات کو فکری طور پر افراد کی فکر میں پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس انداز میں قرآن کے فکری مطالعہ کی ضرورت ہے کہ دور جدید کے تقاضوں کے تحت افراد کی فکری آبیاری ممکن ہو سکے۔

[23] غنوی، خرم نواز پروفیسر، اسلامی معاشرتی نظام، ص:52

[24] سورۃ النور:27

[25] سورۃ بنی اسرائیل:32

عصرِ حاضر اور قرآن کریم کے اخلاقی مطالعہ کی ضرورت و اہمیت:

صفتِ احسان کا نہ ہونا:

احسان کمالِ دین کا نام ہے۔ جب انسانی روح کی آبیاری قرآنی اصولوں کے مطابق کی جائے تو روح سے کمالات انسانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ انسان کی روح جب متوازن انداز میں پروان چڑھے تو وہ صفت احسان سے متصف ہوتی ہے۔ صفت احسان سے متصف ہونے کے سبب انسانی اعمال میں ان اخلاق کی عکاسی ہوتی ہے جو سماج کو متوازن انداز میں پروان چڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے برعکس انسانی روح اور اخلاق کی ترقی کو پامال کر دیا جائے تو سماج اخلاقی تنزلی کا شکار ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے انسانی وجود کی ترکیب کے مطابق روح کی بہتری کے اصول بھی فراہم کیے ہیں۔ جب ان اصولوں کے مطابق روح کو مزین نہیں کیا گیا تو سماج میں عدم احسان جیسے اخلاقی چیلنجز نے جنم لے لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ 26

ترجمہ: خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

اس آیت میں عمومی حکم ہے جو سماج کے توازن کو قائم رکھنے کا اصول دیتی ہے اور یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین اخلاقی تعلیمات کو بیان کرتی ہے۔27 احسان کا حکم دے کر اس نصیحت کو یاد رکھنے کو کہا گیا جو اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔ اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ربانی ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ28

ترجمہ: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

صفت احسان کا اطلاق عبادات سمیت معاملات اور اخلاق تک ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں مومنین، متقین جیسے انسانی درجات کا تذکرہ ملتا ہے وہیں انسان کے ایک تعمیر شدہ درجہ محسنین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس انسانی کمال کا سبب صفت

---

[26] سورۃ النحل:90

[27] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار ابن الجوزی، دمشق، 1999ء، ج: 3، ص:277

[28] سورۃ الرحمٰن:60

احسان سے متصف ہونا ہے۔ سماج کی بہترین افزائش احسان مع الحق (عبادات کے معاملہ میں) اور احسان مع الخلق کی صورت میں ممکن ہے۔29

عصر حاضر میں اخلاقی بنیادوں پر سماج کو پرکھا جائے تو افراد معاشرہ صفت احسان سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے سبب سماج میں استحصال کی صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افراد کی عبادات سے صفت احسان غائب ہے جس کے سبب عبادات محض مشق کی حیثیت اختیار کرچکی ہیں اور مخلوق کے ساتھ معاملات میں ظلم کا دور دورا ہے جبکہ قرآن کریم میں صفت احسان کا ذکر تیس سے زائد مرتبہ آیا ہے جو کہ روحانی آبیاری کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ایسی صورتحال میں قرآن کریم کے اخلاقی مطالعہ کی ضرورت ہے جس سے سماج کے افراد کی روحانی تعمیر نو کی جاسکے۔

عدم احساسِ جوابدہی:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالعمل بنایاہے۔ انسان کو اعمال کی انجام دہی میں انتخاب کی اجازت دی لیکن اعمال اور ان کے انجام کے تناسب کو احساس جوابدہی سے پابند کیا۔ قرآنی اصولوں کی بنیاد پر انسانی زندگی کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد عقیدہ آخرت کو اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ تصور ہے جو صرف دین اسلام دیتا ہے جس کے اثرات انسانی زندگی پر مثبت انداز میں مرتب ہوتے ہیں کیونکہ آخرت میں سزاوجزا کا یقین انسان میں احساس جوابدہی پیدا کرتا ہے۔ احساس جوابدہی انسان کی روحانی شمع کو جلا بخشتاہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ 30

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں زمانہ جہالیت کے عرب کی فکر کو واضح کیا گیا ہے جس بنیاد پر وہ اسلام کے نظریہ سے اختلاف کرتے تھے۔ اس اختلاف کا مطلب احساس جوابدہی کا عدم یقین تھا۔ یہ رویہ انسانی شعور کی تنگی کی عکاسی کرتا ہے جس میں آخرت اور احساس جوابدہی جیسا وسیع تصور سماہی نہیں پارہا تھا۔

عصر حاضر میں سماج میں موجود افراد کو دیکھا جائے تو موجودہ انسانی رویہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اگرچہ افراد معاشرہ اعلانیہ انکار جوابدہی نہیں کرتے لیکن روزمرہ معمولات میں طرز عمل کو دیکھا جائے تو یہ وہی رویہ ہے جو اہل

[29] غزالی، ابوالحسن محمد، احیاء علوم الدین، مترجم: ندیم الواجدی، دار الکتاب، دیوبند، انڈیا، 1987ء، ج:2، ص:133

[30] سورۃ الانعام:29

عرب نے اپنایا تھا۔ مادیت پرستی کی دھن میں مگن انسانی رویہ انسان کی روحانی گراوٹ کی دلیل ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سماج کے افراد میں قرآن کے اخلاقی مطالعہ کو اس طرح پروان چڑھایا جائے تاکہ افراد کی روحانی تربیت ممکن ہوسکے۔

اخلاقی جرات کا نہ ہونا:

غیرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا عنصر انسانی وجود میں بھی رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم ایسے سماج کی تشکیل کے اصول فراہم کرتا ہے جس میں انسان سے صفات الٰہی کا عکس دیکھنے کو ملے۔ قرآن کریم سماج کے افراد میں اخلاقی جرات کے وجود کا متقاضی ہے۔ چناچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ [31]

ترجمہ: اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

سورۃ البقرۃ کی یہ آیت یہود کی مکاریوں کے متعلق نازل ہوئی کہ وہ ان باتوں کو چھپاتے تھے جو وہ پہلے سے جانتے تھے۔ قرآن کریم اس حرکت پر انھیں تنبیہ کر رہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر اخلاقی جرات موجود ہونی چاہیے تاکہ انسان حق کو باطل کے فرق کو تسلیم کرسکے۔

عصر حاضر میں سماجی رویوں کو دیکھا جائے تو اکثر حق و باطل کی آمیزش دیکھنے کو ملتی ہے۔ قرآنی سماجی تعلیمات کے مطابق موجودہ سماج میں اس روش کا پایا جانا قرآنی اصولوں کے منافی ہے۔ اسی طرح اخلاقی جرات کا ناپید ہونا معاصر سماج کی اخلاقی گراوٹ کا ثبوت ہے۔ ایسی اخلاقی صورتحال کے پیشِ نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم کا اخلاقی مطالعہ کیا جائے اور افراد کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

جھوٹ:

انسان کے اعمال اس کی شخصیت کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں۔ جھوٹ انسانی شخصیت کا منفی پہلو ہے جو نقصان کے خوف یا فائدہ کی امید کی بنیاد پر بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم انسان کی روحانیت کو پامال کرنے والے افعال کی مذمت کرتا ہے۔ سماج میں افراد کا جھوٹ کا عادی ہو جانا سماجی زوال کی علامت ہے۔ اس کے سبب سماج میں عدم اعتماد اور شک جیسی برائیوں کی بنیاد ڈلتی ہے۔[32] ارشاد باری تعالیٰ ہے: فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ[33]

---

[31] سورۃ البقرۃ:42

[32] عارف، ڈاکٹر احمد، اسلامی اخلاقیات، ادارہ تب حدیث، لاہور، 2012، ص:93

[33] سورۃ البقرۃ:10

ترجمہ: ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہو گا۔

قرآن کریم کی ابتدائی آیات ہی میں اس انسانی رویہ کو خطاب کیا گیا جو جھوٹ جیسی روحانی بیماری کا شکار تھا اور عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اس کے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم جس سماج کی تشکیل چاہتا ہے اس کے افراد سے پہلے اخلاق رذیلہ کا سدباب چاہتا ہے۔

عصر حاضر میں روزمرہ معمولات زندگی کو دیکھا جائے تو سماج جھوٹ کی ایسی گرفت میں ہے کہ افراد اس کو روحانی یا اخلاقی برائی تصور کرنے سے ہی قاصر ہیں۔ دوسری طرف قرآن کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو جھوٹ سماج کے افراد کی قلبی حالت زار کا نتیجہ ہے۔ زندگی کے جملہ شعبہ جات میں جھوٹ رچ بس گیا ہے۔ موجودہ سماج کی اس اخلاقی تخریب کے پیش نظر قرآن کریم کے اخلاقی مطالعہ کی ضرورت سماج کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔

عدم تحمل:

انسان کی دنیاوی زندگی اسباب کو بروئے کار لانے کا نام ہے۔ اسباب کو اختیار کیے بغیر دنیاوی زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اسباب کی محتاج انسان کی عملی زندگی میں مختلف طرح کے حالات آتے ہیں۔ بعض حالات انسانی طبیعت کے موافق ہوتے ہیں اور بعض حالات مخالف بھی ہوتے ہیں۔ ایسے طبیعت مخالف حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے انسان کا صبر اور تحمل کے وصف کا حامل ہونا ضروری ہے۔ قرآن کریم انسان کو اپنے اندر بہتری لانے کے انمول اصول فراہم کرتا ہے۔ انھی اصولوں میں سے ایک اصول صبر و تحمل کا ہے۔ قرآن کریم نے جئی جگہوں پر تحمل کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ [34]

ترجمہ: اور (رنج وتکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے، مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے صبر و تحمل کی صفت کا انسانی شخصیت میں موجود ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ 35

ترجمہ: صبر سے کام لو۔ کہ خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔

[34] سورۃ البقرۃ:45

[35] سورۃ الانفال:42

قرآن کریم صبر و تحمل کی متحمل شخصیت کو قرب الٰہی کی ضمانت دے رہا ہے اور سماج میں ایسی شخصیت کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے جو قرآنی اصولوں کے مطابق پروان چڑھی ہو۔ اسی طرح قرآن کریم نے صبر و تحمل کا اخلاقی وصف انبیاء کی خوبی ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا [36]

ترجمہ: اور جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سازی کے وقت حالات کے پیش نظر آپ ﷺ کو مخاطب کر کے طبیعت کے خلاف پیش آنے والے حالات پر صبر کرنے کو کہا گیا۔ اس بات سے صبر و تحمل کی اخلاقی خوبی کی اہمیت اور بھی واضح ہوتی ہے۔

نتائج:

اس تحقیق کے مندرجہ ذیل نتائج ہیں:

1) انسان اس کائنات کا بنیادی محرک ہے جس کے سبب دار العمل کو تحریک حاصل ہے۔

2) دنیا کی منظم کارروائی میں انسانی عقل، جسم اور روح کا عمل دخل ہے جس کی بنیاد پر انسانی شخصیت فکر، عمل اور اخلاق کی تعریف سے تشکیل پاتی ہے۔

3) سماج دنیا کے نظام کے وجود کی بنیادی اکائی ہے جو انسانوں کے اجتماع سے وجود پاتی ہے۔ انسان اور سماج ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

4) سماج کی بہتری یا خرابی کا دارومدار انسان کی آبیاری کی نوعیت پر ہے۔

5) منظم اور تعمیر شدہ انسانی فکر سماج کو بہترین بنیادوں پر تعمیر کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسانی فکر اعمال کو تحریک دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اعمال افکار کی عکاسی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

6) سماج کا اولین چیلنج مقصد حیات کے تعین میں دشواری ہے۔ اس کو حل کرنے کے لیے افراد کو واضح مقصد حیات کا شعور دینے کی ضرورت ہے جو کہ صرف قرآن کریم کے ذریعہ ممکن ہے کیونکہ مقصد حیات اس قدر جامع فکری اصول ہے جس کو قرآن کریم جیسی تعلیم ہی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

7) انسان کو یقین کی صورت میں وہ طاقت دی گئی جو ناممکنات کو ممکنات میں بدل سکتی ہے۔ یقین کا تعلق بھی انسانی افکار کے ساتھ ہے کیونکہ انسان کسی بھی چیز کو یقین بنانے سے پہلے غور و فکر کرتا ہے اور جب انسانی فکر قائل ہو جاتی ہے تو

[36] سورۃ المزمل:10

انسان مائل ہوتا ہے اور بھر گھائل ہو کر اس چیز کو اپنا لیتا ہے۔ یوں مضبوط یقین کا انسانی وجود کا حصہ ہے لیکن اگر سماج کے افراد کو یہ دولت میسر نہ آئے تو وہ ناممکنات کو ممکنات میں بدلنے سے قاصر رہتے ہیں۔

8) سماج کا بڑا حصہ اس کے افراد کے افکار پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا کسی سماج کے افراد کا فکری طور پر ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ فطری احساس اجتماعیت کا وجود اس فکری ہم آہنگی پر منحصر ہے۔ فکری ہم آہنگی ہی سے قوم اور امت کا تصور ممکن ہے۔

9) معرفت سماج کے افراد کی بنیادی ضرورت ہے اور سماج کے افراد کی معرفت کی نوعیت کی بنیاد پر سماج فکری، عملی اور اخلاقی اعتبار سے پروان چڑھتا ہے۔ جس قدر افراد اہل معرفت ہوتے ہیں اس قدر سماج ترقی کا سفر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جس قدر افراد معاشرہ عدم معرفت کا شکار ہوں گے سماج اس قدر گراوٹ کا شکار ہو گا۔

10) انسان کی اہمیت کا تعین انسان ہی کرتا ہے جو کہ اعتماد کی صورت میں ہوتا ہے۔ جس قدر افراد پُر اعتماد ہوں گے اس قدر سماج میں اعتماد اور توازن برقرار رہے گا۔ افراد کا ایک دوسرے پر عدم اعتماد فکری انحطاط کا ثبوت ہے جو کہ سماج کے زوال کا ایک سبب ہے۔

11) اس کائنات کی درجہ بندی کو دیکھتے ہوئے ثابت ہوا کہ انسان جس قدر اہم اکائی ہے اس قدر نحیف بھی ہے۔ تسخیر کائنات کا کام سرانجام دینے کے بعد اور نائب الٰہی کا شرف حاصل ہو جانے کے بعد افراد کا عجز کے اسرار سے بہرمند ہونا ضروری ہے۔ عجز انسان کی نمایاں خوبی ہے جس سے روگردانی کی جائے تو انسان فکری طور پر بحران اور مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔

12) اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو کچھ افکار ایسے دیے گئے ہیں جو فطرت ہیں اور ان میں افراد معاشرہ کی بھلائی مضمر ہے۔ معاشرتی بے راہ روی افراد کی فکر کے اس زوال کا نتیجہ ہے جس کے لیے قرآن کریم کے انداز اور اصول کو دیکھا جائے تو پیشگی احتیاط کا اصول دیا گیا ہے اور بے راہ روی کو برائی کا پیمانہ قرار دیا گیا ہے۔

13) کسی بھی سماج کے فکری مسائل کو حل کرنے کے لیے اس سماج کے افراد کی فکری آبیاری کی ضرورت ہے اور یہ فکری آبیاری قرآن کریم کی فکری تفہیم نو کے ذریعہ ممکن ہے۔

14) سماج کی ترقی یا تنزلی میں افراد روحانی صلاحیت بھی کارفرما عمل ہوتی ہے۔ روح انسان کے وجود کا لازمی جز ہے اور اس کے متعلق بہترین وضاحت صرف قرآن کریم ہی نے دی ہے۔ انسانی روح کی آبیاری تمام اخلاقی مسائل کا واحد حل ہے۔

15) سماج میں عدم احسان کا ماحول سماج اور افراد کی اخلاقی گراوٹ کا ثبوت ہے جس کا حل قرآن کریم کے اخلاقی مطالعہ کے ذریعہ ممکن ہے۔

16) احساس جوابدہی افراد کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے جو کہ ایک تعمیر شدہ روح کے وجود کا ثبوت ہے۔ معاشرے میں عدم احساس جوابدہی جرائم اور اخلاقی برائیوں کا سبب ہے۔ سماج کے افراد میں احساس جوابدہی کا شعور قرآن کریم کے اخلاقی مطالعہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

17) غیرت سماج میں موجود فطری چیز ہے جو کبھی بڑھتی ہے اور کبھی کم ہوتی ہے۔ جس قدر افراد کی روحانی تعمیر کا اہتمام کیا جائے اس قدر غیرت پروان چڑھتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں افراد اخلاقی جرات سے لبریز ہوتے ہیں جو افراد کو سماج کے لیے بہتر فیصلے کرنے کی صلاحیت دیتے ہیں۔ سماج کے افراد میں اخلاقی جرات کا پایا جانا قرآن کریم کے اخلاقی اصولوں کی پیروی کی صورت میں ممکن ہے۔

18) انسانی روح جب تعمیر کے مراحل سے گزر کر کامل ہونے کی طرف بڑھتی ہے تو وہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں جو روحانی اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ سماج کے افراد میں صبر و تحمل کا وجود سماج میں وسعت اور توازن کے قیام کا سبب بنتا ہے۔

19) کسی بھی سماج کے اخلاقی چیلنجز کا حل اس کے افراد کی اخلاقی آبیاری اور بالخصوص قرآن کریم کی اخلاقی تفہیم نو کے ذریعہ ممکن ہے۔